ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.1 2022

سلیم شہزاد کے ناولوں کے ناولوں میں مقامی آدمی کا موقف

1. **Muhammad Akhtar**
Lecturer Department of Siraiki,
Govt. Graduate College Civil Lines, Multan
Akhtarbukhari1985@gmail.com

2. **Dr. Muhammad Mumtaz Khan**
Associate Professor Department of Siraiki,
The Islamia University of Bahawalpur
Mumtaz.khan@iub.edu.pk

Abstract

The research article explores the central themes presented in Saleem Shehzad's novels "Paluta" and "Ghann" focusing on the advocacy of the local man's perspective and its importance in resolving state-level challenges. According to Saleem Shehzad, local wisdom and experiences offer valuable insights that can aid the state in addressing both present and future crises. The author emphasizes that meaningful dialogue between the state and the local populace is essential for restoring mutual trust, fostering better relationships, and ensuring sustainable solutions. Ignoring the voice of the local man, according to Saleem Shehzad, can lead to detrimental consequences for the state. In addition to highlighting the local man's stance, the article delves into Saleem Shehzad's novel Pluta, which presents a nuanced discussion of the philosophy of oppression and justice. The novels illustrate that when oppression becomes unbearable and the oppressed curse their own land, it triggers a destructive calamity that engulfs everything in its wake. This disaster not only punishes the oppressors but also consumes the oppressed, leading to the collapse of the entire societal structure. Saleem Shehzad's narrative serves as a metaphor for the catastrophic outcomes of unchecked injustice, revealing the delicate balance between justice and vengeance, where vengeful actions result in collective ruin. The research article thus underscores Saleem Shehzad's exploration of both local knowledge as a tool for governance and the philosophical dimensions of social justice and retribution.

Key words: Saleem Shehzad, Local man's perspective, Local wisdom, Oppression and justice, social collapse

تعارف:

سلیم شہزاد کے ناولوں (گھان، پلوتا) میں مقامی آدمی کے نقطہ نظر کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، جو ریاستی مسائل کے حل کے لیے نہایت اہمیت رکھتا ہے۔ سلیم شہزاد کی تحریروں میں مقامی دانش اور تجربات کو موجودہ اور مستقبل کے چیلنجز سے نمٹنے کے لیے مؤثر ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ریاست اور عوام کے درمیان بامعنی مکالمہ ضروری ہے تاکہ باہمی اعتماد بحال ہو، بہتر تعلقات قائم ہوں اور پائیدار حل تلاش کیے جا سکیں۔ ان کی تصانیف ظلم اور ناانصافی کے فلسفیانہ پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہیں، جو معاشرتی تباہی اور انتقام کی تباہ کن نوعیت کو ظاہر کرتی ہیں۔ سلیم شہزاد کے ناول ان اہم موضوعات پر گہرے مکالمے کی دعوت دیتے ہیں، جو حکمرانی اور سماجی انصاف کے درمیان نازک توازن کو سمجھنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

گھان:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.1 2022

ناول "گھان" اپنے علامتی انداز اور وضاحتی بیانیے میں سماجی، سیاسی اور طبقاتی موضوعات کو نمایاں کرتا ہے۔ ناول کی کہانی تہہ در تہہ ارتقا سے گزرتی ہے۔ ناول اپنے ارتقا سے ہی علامتوں اور بعض جگہوں پر واضح کرداروں کے ذریعے اپنا سفر طے کرتا ہے۔ ناول کے آغاز میں ہی "زہری" جو، ایک مقامی کا کردار ہے، سامنے آتا ہے اور ناول میں طبقاتی تقسیم میں نچلے طبقے کی نمائندگی کرتا ہے۔ ناول اپنے ارتقا ہی میں ملک کا غریب طبقہ اپنے مسائل سے نکلنے کے لیے احتجاج کرتا دکھائی دیتا ہے۔

ترجمہ: "ٹائر جل رہے ہیں۔ ایک جلوس چوک میں نعرے لگاتا جا رہا ہے۔"

"نامنظور! نامنظور"!

لوگوں کے ہاتھوں میں گتے اور کپڑے کے بینرز ہیں۔

"لوڈشیڈنگ ختم کرو"!

"مہنگائی کا عذاب ختم کرو"!

"ہمیں مت مٹاؤ، مسائل مٹاؤ!"(1)

ناول میں طبقاتی تقسیم کو واضح کرنے کے لیے اس کا ایک کردار "خان صاحب" بھی قابل ذکر ہے۔ یہ جاگیر دار طبقے کا نمائندہ کردار ہے۔ دراصل یہ کردار وسیب میں موجود ظلم و ستم کا نمائندہ ہے۔ زہری جو ایک مقامی فرد اور نچلے طبقے کا نمائندہ کردار ہے، اس کو دبوچ کر خان صاحب کے پاس لایا جاتا ہے۔ خان صاحب اسے دھمکیاں دے کر سمجھاتے ہیں کہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آجائے۔ ناول کے دوسرے کرداروں میں مچھر اور مکھیاں نچلے طبقے کے علامتی کردار ہیں، جن سے زہری مکالمہ کرتا ہے۔ یہاں ناول کی تکنیک میں میجک رئیلزم کو برتا گیا ہے۔ دراصل ناول نگار پرولتاریہ طبقے کو مکھی اور مچھر جیسی علامتوں سے اس لئے تشبیہ دیتا ہے تاکہ یہ واضح ہو کہ بورژوا نچلے طبقہ کو اس سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتا۔ زہری کو خان صاحب سخت لہجے میں نصیحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ترجمہ: "بس زیادہ بول مت! میری بات کان کھول کر سن! اگر آج کے بعد میں نے سنا کہ تو وہاں (تالاب) بیٹھا ہے، تو تیری ماں تجھے تلاش کرتی مر جائے گی...!" خان صاحب نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔(2)

ناول کا موضوع دراصل سیاسی ہے اور اس میں طبقات کی کشمکش دکھائی گئی ہے۔ یہ جیون کی جنگ ہے۔ مکھیاں، مچھر اور دوسرے حشرات نچلے طبقے کی علامتیں ہیں اور ان کے ذریعے مقامیت کی عکاسی کی گئی ہے۔ سیاسی عمل میں ان کے ساتھ ظلم اور استحصال ہو رہا ہے۔ زہری، جو، نچلے طبقے کا نمائندہ کردار ہے، مقامیوں (مچھر، مکھیاں وغیرہ) سے مکالمہ کرتا ہے، لیکن یہ طبقہ زہری پر بھروسہ کرنے کے لیے تیار نہیں کیونکہ ملک کے حالات اور ان کی زندگی ہمیشہ مشکلات میں گھری رہتی ہے۔ وہ زہری سے خوفزدہ ہیں۔ ناول کے پورے منظر نامے میں زندگی پر خوف کا منظر نامہ چھایا دکھائی دیتا ہے:

ترجمہ: "اس شہر میں اب لوگ باہر نکلنے سے ڈرتے ہیں۔"(3)

ناول میں ایک انجان بیماری کے خوف نے پورے ماحول کو خوف زدہ کر دیا ہے۔ بڑے اور چھوٹے سب کے چہروں پر خاموشی چھائی ہوئی ہے۔ غریب مزید غریب ہوتا جا رہا ہے۔ باہر نکلنے پر بھی موت کا خطرہ ہے اور گھر میں رہنے پر بھی موت کا سایہ منڈلاتا نظر آتا ہے۔ نچلے طبقے کے اس کردار زہری کے گھر میں غربت موت کا کھیل رچائے دکھائی دیتی ہے:

ترجمہ: "وہ شام کو ہمیشہ کی طرح تھکا ہارا، خالی ہاتھ گھر آیا... آج بھی اسے مزدوری نہیں ملی... آج بھی گھر کا چولہا چوتھے دن بھی بجھا رہے گا اور معلوم نہیں کب تک... اسے چولہے میں موت دہکتی دکھائی دے رہی تھی۔(4) "

ناول "گھان" جہاں طبقاتی تقسیم کو اپنے وسیب کے دائرے میں بیان کرتا ہے، وہیں بین الاقوامی سیاست اور تیسری دنیا کے ممالک میں موجود اس طبقے کو زیر بحث لاتا دکھائی دیتا ہے۔ ناول میں اخباری تراشوں کی تکنیک کے ذریعے طاقتور استعماری ممالک کے اثر و رسوخ کو اجاگر کیا گیا ہے۔ ان تراشوں میں ریمنڈ ڈیوس کا واقعہ، اسامہ بن لادن کا معاملہ، ایبٹ آباد آپریشن اور ملالہ یوسف زئی کے واقعات شامل ہیں، جن کے ذریعے امریکہ کو بین الاقوامی استعماری طبقے کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ عام انسان کو ناول میں دہشت

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.1 2022

گردی اور خوف وہراس کی فضا کا سامنا ہوتا ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ خوف صرف اس کی زندگی تک محدود نہیں، بلکہ اس کا خطرہ آنے والی نسلوں کو بھی لاحق ہے۔ حکمران طبقہ اپنی سیاسی چالوں میں مصروف ہے، چاہے وہ حکومتی اراکین ہوں یا اپوزیشن میں بیٹھے ممبران۔

ناول کی کہانی میں میڈیا اور مذہبی حیثیت کے حامل کردار کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے، جو قانونی پیچیدگیوں کی وجہ سے پورا سچ بولنے سے قاصر ہیں۔ ریاست اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے کے لئے مقامیوں پہ ظلم ڈھاتی ہے۔ ملک کو درپیش مسائل میں کے حل میں ان مقامی طبقہ کی دانش سے فائدہ نہیں اٹھاتی۔ ناول نگار اس موقف کی تائید میں ایک کردار وڈکا کا سامنے لاتا ہے۔ یہ کردار اپنی مقامی دانش کی تڈ سے ملک کو درپیش مسائل کا حل زہری کو بتاتا ہے۔ یہی وڈکا ناول میں اپنی دانش سے زہری کو آنے والے خطرات سے آگاہ کرتا نظر آتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ زہری کا تعلق نچلے طبقے سے ہے۔ وڈیرے کو یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ نہ صرف نچلے طبقے کی بات ہے، بلکہ اس میں تیسری دنیا کے وہ ممالک کی بھی شامل ہیں جن کے فیصلے سپر پاورز کرتی ہیں۔ ناول میں نچلے طبقات کی بے بسی کا ایک منظر ملاحظہ کریں:

ترجمہ: "میں تو مدت سے ان باتوں کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھا رہا ہوں... لیکن سوچتا ہوں، تمہیں بتانے سے کیا ہوگا... مسائل تو ویسے ہی موجود رہیں گے... تم جیسے پابندیوں میں جکڑے لوگ کیا کر سکتے ہیں؟"

"اس بات پر اسے حیرانی ہوئی، غلامی والی بات اسے دل پہ لگی۔ ہم پابندیوں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ ہمیں کون غلام بنا سکتا ہے... ہم غلام کیوں ہیں؟... ہمیں کون غلام بنا سکتا ہے؟... ہم کسی کے غلام نہیں... ہم اپنی مرضی کے مالک ہیں۔"

وہ تیزی سے بولا: وڈکا مسکرایا اور بولا: "تم اپنی سانس لینے کا فیصلہ بھی پوچھ کر کرتے ہو۔ تمہارے بس میں ہے کیا؟ " (5)

یہ استعماری طاقتیں تیسری دنیا کے ممالک پر اس طرح حکمرانی کرتی ہیں کہ بغیر بتائے لوگوں کی قسمت کے فیصلے خود لکھ دیتی ہیں۔ ان کا کام خوف اور ہراس پیدا کرنا ہے، جس سے لوگوں کی سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح کے استعماری دباؤ اس خطے پر مسلط کیے گئے ہیں۔ ان کے "زہر" کی خاصیت یہی ہے کہ یہ لوگوں کے ذہنوں کو مفلوج کر دیتا ہے۔ نچلا طبقہ جہاں باہر روزی کمانے کے خوف میں مبتلا ہے، وہیں ان کے گھر کے اندر بھوک کا کھیل رچا دکھائی دیتا ہے۔ ناول میں اس کیفیت کی ایک جھلک ملاحظہ کریں:

ترجمہ: پورے شہر کی حالت ایسی تھی جیسے ہائیڈروجن بم پھٹا ہو اور اس نے آکسیجن کھا کر لوگوں کی سانسیں بھی ختم کر دی ہوں۔ بازار، مسجد، کوئی جگہ بھی ان ڈینبھو (زہریلے کیڑے) سے محفوظ نہیں رہی تھی۔ مسجد میں نمازی سجدے سے بھی نہیں اٹھ سکے تھے۔ لوگ زندگی گزارنے کے لئے روزی کمانے کی فکر میں مگن تھے۔ اس نئی آفت نے کام جو مزید مشکل بنا دیا۔ "اگر گھر میں رہیں تو روٹی کی فکر، اور باہر جائیں تو موت کا ڈر۔ آخر وہ کہاں جائیں اور کیا کریں؟ یہ سوال انہیں اس طرح کھائے جا رہا تھا، جیسے دیمک لکڑی کو کھاتی ہے۔ انہوں نے دروازے اور کھڑکیاں بند کر رکھے ہیں۔ اگر تازہ ہوا کا جھونکا آتا بھی ہے تو وہ زندگی کی بجائے موت میں بدل جاتا ہے۔ اس لئے لوگوں نے اپنے گھروں کے دروازوں کو بند کر دیا تھا۔ پھر بھی کئی گھروں میں ڈینبھو پھر رہے تھے۔(6) "

اس بیماری کے اثرات تمام طبقات پر محسوس کیے جا رہے ہیں کیونکہ ملک کے حالات بگڑتے دکھائی دیتے ہیں، اور ان حالات میں نچلا طبقہ مزید پستا جا رہا ہے۔ غریب طبقہ بغیر ہتھیاروں کے حالت جنگ میں ہے۔ غریب لوگ مر رہے ہیں۔ کہیں دہشت گردی کی وجہ سے، کہیں خوف اور بیماری کے باعث، اور کہیں غربت و بھوک کے پنجوں سے موت کی گرفت میں۔ اس تمام تر ظلم واستحصال کے دوران ضروریات زندگی کی ہر چیز پہنچ سے باہر ہو چکی ہے اور نچلا طبقہ مہنگائی کا شکار ہو کر لقمہ اجل بن رہا ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.1 2022

ترجمہ: "اگر آپ ملک کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو آپ کو خود معلوم ہو جائے گا کہ ان مسائل کی وجہ سے ہمارا ملک پیچھے جا رہا ہے۔ سیلاب، ڈرون حملے، اور اندرونی سازشیں اسے برباد کر رہی ہیں۔ ضرورت کی چیزیں عام لوگوں کی پہنچ سے باہر ہو گئی ہیں۔(7) "

زہری، جو، نچلے طبقے کا نمائندہ کردار ہے، سماج اسے راخس کہہ کر پکارتا ہے۔ راخس کا تصور قدیم دور سے معاشرہ میں رائج ہے۔ یہ وہ مقامی باشندہ ہے جس کے وطن پہ حملہ آور قابض ہو چکا ہے اور اسے ناپاک قرار دے کر اپنی زمین سے بے دخل کر دیا گیا ہے۔ یہ لفظ زہری کو اُس قدیم ظلم کی یاد دلاتا ہے جب ہر آنے والے حملہ آور نے مقامی لوگوں پہ نفسیاتی برتری حاصل کرنے کے لیے پلیت اور ناپاک کہا، اور انہیں حقیر سمجھ کر ختم کر دیا۔ ان لوگوں کو اتنا ذلیل کیا گیا کہ وہ خود کو کمتر سمجھنے لگے۔ یہی کچھ زہری کے ساتھ ہو رہا تھا۔ زہری جن لوگوں کی خیر مانگتا ہے، وہی لوگ اسے اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ اس کو "راخس" بنانے کے عمل میں اس کے اپنے لوگ بھی شامل ہیں۔ مملکت میں مقامی کے ساتھ یہ سلوک طبقاتی تقسیم کا نتیجہ ہے، اور یہ طبقاتی فرق انہیں ریاست میں غدار بنا دیتا ہے۔ مقامی کو راخس قرار دیئے جانے کا عمل ناول میں بارہا آیا ہے؛

ترجمہ: "اماں بھی اس کا خیال نہیں رکھتی تھی۔ بس عید پر اسے نہلاتی اور کپڑے پہناتی تھی۔ پوری بستی میں وہ اکیلا راخس تھا۔(8) "

ناول میں نچلے طبقے کو اتنے خوف وہراس میں مبتلا دکھایا گیا ہے کہ وہ اپنے ہی لوگوں پر بھروسہ کرنے سے بھی قاصر ہیں۔ اس کے برعکس، حکومتی ترجمان کے مکالمے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حکمران طبقے کو نچلے طبقے کے مسائل یا ان کی فہم سے کوئی غرض نہیں ہے۔ مچھروں کے وڈکے نے جن آفات سے زہری کو آگاہ کیا، اعلیٰ طبقہ ان حقائق کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔ ان کا یہ خیال ہے کہ نچلے طبقے کے لوگ کسی قسم کی عقلمندی یا دانشمندی کی بات نہیں کر سکتے، اور نہ ہی ان کی کوئی بات اہمیت رکھتی ہے۔ اعلیٰ طبقہ اپنی عقل کے سامنے نچلے طبقے کی فہم کو تسلیم کرنے سے انکاری ہے:

ترجمہ: "حکومتی رکن: پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ بات عقل سے باہر ہے کہ کوئی شخص مچھر یا مکھی سے بات کر سکتا ہے... مجھے تو وہ شخص ہی مشکوک لگتا ہے... وہ ضرور کوئی ایجنٹ ہے... جو ہمارے مخالفین کا پٹھو ہے... یہ ممکن نہیں کہ وہ وبا میں مبتلا ہو اور اس پر کوئی اثر نہ ہو... اگر ہم فرض کر کے اس بات کو مان بھی لیں، تو ہم ایک مچھر کی بات کو اتنی اہمیت کیوں دیں؟۔ ترجمہ: آپ ڈینبھوؤں کے بارے میں کیا کہیں گے؟ حکومتی رکن: مجھے تو مچھر اور ڈینبھو میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔(9) "

زہری، جو مقامی طبقے کا نمائندہ ہے، ان اعلیٰ طبقے کے لوگوں کے لیے پاگل اور ان کو مخالفین کا ایجنٹ نظر آتا ہے۔ زہری اپنی زندگی جینا چاہتا ہے اور اپنی تل وطنی دانش اور مقامی زبان کے ذریعے عام لوگوں اور مقامی آبادی سے بات چیت کرنا چاہتا ہے۔ تاہم، اشرافیہ طبقے کے لوگ اس پر اعتماد کرنے کو تیار نہیں۔ وہ زہری کو اپنے تجربات کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔ وہ پھر سے تالاب کے پاس چھوڑ آتے ہیں، یہی تو وہ زمین تھی جہاں اسکا اپنا مقامی رہتا تھا۔ جس کو اشرافیہ گند کا ٹھکانہ جانتی تھی۔ یہیں وہ وڈکے سے مقامی دانش سیکھتا تھا۔ یہیں اس نے سیکھا کہ مقامی سے انکی زبان میں بات کرنے کی اٹکل سیکھی۔ مگر اب یہ تالاب ان دہشتگرد ڈینبھوؤں کے پاس تھا۔ ان قابضین کی وجہ سے لوگ اب خوف میں مبتلا ہیں۔ خاص طور پر جب وہ دہشت گردی اور ڈینبھوؤں کے خوف کے سائے میں زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔

ناول نگار یہ واضح کرنا چاہتا ہے کہ نچلے طبقے کے لوگ نہ صرف مہنگائی اور بیروزگاری کا شکار ہیں، بلکہ خوف اور دہشت گردی کا بھی سامنا کر رہے ہیں۔ اس کے برعکس، اعلیٰ طبقہ ان کے مسائل سے آگاہ ہونے کے بجائے انہیں نظر انداز کرتا ہے۔ حکمران طبقہ اب اس مقامی کو ان دہشتگردوں کے حوالے کر دیتا ہے؛

ترجمہ: "وہ ان سے بچنے کے لیے دونوں ہاتھوں کو پوری قوت سے مار رہا تھا... مگر وہ اس کے بس سے باہر ہیں... پھر کیا ہوا؟... ایک ڈینبھو نے اپنی نلی اسکی پپلی میں جمے ہوئے آنسو پر زور سے ماری... جو آنکھ کی پپلی سے کڑک سے ٹوٹی اور زمین پہ آ گری۔ بہت سارے ڈینبھو اسکو چمٹ جاتے ہیں جیسے چیونٹیاں میٹھے کو چمٹتی ہیں۔(10) "

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.1 2022

یہ وسوں کا مقامی تھا جس کو دہشت گردی، حکمرانوں کی لاپرواہی اور سیاست کی بھینٹ چڑھادیا گیا تھا۔اب نچلا طبقہ مٹ گیا ہے۔ڈینبھوؤں کا راج ہے،اور زہری بھی ان کی خوراک بن گیا ہے۔جب عام طبقے کا خاتمہ ہو گیا تو ڈینبھوؤں نے شہر کو اپنا مرکز بنالیا۔اب یہ وبا ہر جگہ پھیل رہی ہے۔دوسرے شہروں پر بھی ان کا راج قائم ہے جبکہ اعلیٰ حکمران طبقہ جہازوں میں بیٹھ کر فرار ہو رہا ہے۔نچلے طبقے کے پاس وسائل نہیں ہیں۔جبکہ اشرافیہ اپنے وسائل کے بل بوتے پر ملک سے باہر جانے کی کوشش میں ہے۔اس تمام وبا کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ یہ زیادہ تر نچلے طبقے کو متاثر کرتی ہے۔نچلا طبقہ زمین سے جڑا ہوا ہے،اور یہی وہ طبقہ ہے جس کا نمائندہ زہری ہے،جو اپنے مقامی دانش کے ذریعے انہیں بیماری سے بچا سکتا تھا۔آج کی اشرافیہ اپنے وسائل کے بل بوتے پر بیماری سے محفوظ رہنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے،جبکہ نچلا طبقہ اس بیماری کے سامنے بے بس ہے:

ترجمہ:"ڈینبھو پورے ملک کے مالک بن کر راج کرنے لگے اور حکومت جہازوں پر سوار ہو کر اڑی جارہی ہے۔(11) "

یہ منظر عام طبقے کی بے بسی اور اعلیٰ طبقے کی خود غرضی کو اجاگر کرتا دکھائی دیتا ہے،جو کہ ایک گہرے سماجی اور طبقاتی تناؤ کی علامت ہے۔

پلوتا:

سلیم شہزاد کا ناول "پلوتا" مقامی لوگوں کی کہانی ہے،جیسے ناول گھان میں مقامی آدمی کی کتھا کی گئی ہے ویسے،یہ ناول مقامی بندے کی کہانی ہے جو،اپنی مقامی تڈ کے ذریعے پوری دنیا سے جڑتا ہے۔یہ ناول بھی سابقہ ناول گھان کی طرح علامتی بیانیہ پہ مشتمل ہے۔اس ناول میں وقت بھی ایک علامت ہے،جس میں وقت کی عکاسی ماضی، حال اور مستقبل کے تناظر میں کی گئی ہے۔ناول میں ایک تاریخ دان کا کردار ہے جو نسٹلجیا میں مبتلا ہے۔تاریخ دان،جو،نسٹلجیا میں پورے ناول کے پلاٹ میں موجود ہے اور یہ نسٹلجیا کیا ہے؟ یہ ایک رومانس ہے،جس میں مقامی لوگوں کی حالت زار کی عکاسی کی گئی ہے۔پلوتا کس نے دیا ہے،اور اس کا شکار کون ہو گا۔یہ کہانی میں ساتھ ساتھ نشابر ہوتا آتا ہے۔پلوتا جب انسان کو لگے گا تو نسلوں کی نسلیں برباد ہو جائیں گی۔جب یہ دنیا وجود میں آئی اور انسان نے اپنے فائدے کے لیے دوسرے انسانوں اور فطرت کو نقصان پہنچایا تو ان کو پلوتے کا سامنا کرنا پڑا۔یہ خالق کا غضب نازل ہونے کا نتیجہ ہے۔دنیا کے تمام ادیب انسانیت کے ساتھ محبت کا درس دیتے ہیں۔سلیم شہزاد کے ناول میں بھی یہی درس نشابر ہے۔ ناول نگار کو اس بات کا ادراک ہے کہ جب سے انسان اس دنیا میں آیا ہے،انہیں مختلف آفات کا سامنا رہا ہے۔یہ آفات دراصل انسان کی اپنی کرنی کا پھل ہیں،جو،ناول میں پلوتا بن کر ان کے سامنے ہیں۔

پلوتا میں بھی "گھان" کی طرح علامتی اور بیانیہ انداز اپنایا گیا ہے۔استعماریت،جبر،دہشت،خوف،بے یقینی اور تاریخی حقائق کے ساتھ ناول اپنا سفر طے کرتا ہے۔ بظاہر یہ پانچ ہزار سال کی کہانی ہے لیکن یہ تشبیہ سرائیکی وسیب سے مربوط ہے،جو،پانچ ہزار سالوں سے بھی زیادہ کی تاریخ کا امین ہے۔یہ ایک تاریخ دان کی کوشش ہے جو پانچ ہزار سال کی کہانی لکھنے کی کوشش میں ہے۔مقامی لوگ ہیں،دھاڑل ہیں،مقامی ہیں،وسوں ہے،سماج ہے،چرند پرند ہیں جو مقامی کا ساتھ دیتے ہیں۔ناول میں انسانوں کی طرح یہ چرند پرند بھی مقامی اور غیر مقامی میں تقسیم ہیں۔باہر سے آنے والے ظلم پہ مائل ہیں اور مقامی لوگ اپنے جیوت رہنے کا کشٹ کر رہے ہیں۔ناول بنیادی طور پر ظالم اور مظلوم دو طبقات میں منقسم ہے۔سرائیکی وسیب کی شادابی،ہریالی اور زرخیزی کی وجہ سے یہاں دھاڑیں ہوتی آئی ہیں۔دھاڑل اس دھرتی کو خون سے رنگتے رہے ہیں۔ناول نگار کا مؤقف ہے کہ جب بھی دھرتی پر خون بہتا ہے تو وہ پلوتا بن کر تمام کو سزا دیتا ہے۔پلوتے کا شکار صرف دھاڑل نہیں ہوتا،بلکہ ظالم اور مظلوم دونوں کو قدرت کے غضب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔پہلی دھاڑ میں "بیچ ہزاروی" مقامی لوگوں کا ساتھ دیتا ہے۔وہ انہیں اپنی پتوں میں چھپالیتا ہیں۔لیکن دوسری بار اس درخت کے پتے شور مچاتے ہیں اور ان کی موجودگی کی خبر دھاڑلوں کو دیتے ہیں۔دھاڑل زیادہ تر کو مار مکا دیتے ہیں اور بچ جانے والوں کو غلام بنا لیتے ہیں:

ترجمہ: "حملہ آوروں کے دوسرے سنگتی بھی یہاں آبسے،اب مقامی ان کے غلام اور عورتیں لونڈیاں بن کر جیون کے دن گزار رہی ہیں۔بستی والے سارا دن حملہ آوروں کے کام میں مصروف رہتے اور رات کو ان کی عورتیں حاکموں کی خدمت گزاری میں رہتیں"(12)

بدیسی یہاں بستی میں اپنا قانون جاری کر دیتے ہیں۔ان کی زبان اوپری ہے۔مگر وہ یہاں کے حکمران ہیں۔نیزے اور تلواروں کے زور پر:

ترجمہ: "اب یہ ہمارا گڑھ ہے۔یہ ہماری زمین ہے۔
یہاں بس ہمارا حکم ہو گا اور تم سب مقامی ہمارے ماتحت ہو۔"(13)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.1 2022

سلیم شہزاد علامتی نظام کے ساتھ مقامی اور دھاڑل کے تعلقات کو بیان کرتے ہیں۔ وہ انہیں چرند پرندوں کے ذریعے ظاہر کرتے ہیں۔ چڑیاں، گیرا، طوطا وغیرہ وسیب کے مقامی پرندے ہیں ان سے "پنچ ہزاری" محبت کے ساتھ پیش آتا ہے اور ان کو اپنی شاخوں پہ بیٹھنے دیتا ہے جبکہ کوا اور گدھ جیسے پرندے دھاڑل کی علامت ہیں، جو کہ حملہ آوروں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ پنچ ہزاری انکو اپنی شاخوں پہ نہیں بیٹھنے دیتا؛

ترجمہ: "پتہ نہیں کیا وجہ تھی۔ جو چڑیوں کی چہچاہٹ اور طوطوں کی ٹیں ٹیں اس کو بھلی معلوم ہوتی تھی اور کوؤں اور گِدھ اس پر بیٹھتے تو اس کا وجود کانپنے لگتا۔"(14)

کہانی میں تاریخ دان کا ایک اہم کردار ہے۔ اس کی ذمہ داری سچ لکھنا ہے، جو کہ ایک مشکل کام ہے۔ سچ بھی تاریخ کا حصہ ہے۔ حاکم کی لکھوائی تاریخ کو رد کر کے مظلوم طبقے کی تاریخ۔ تاریخ کے دو رخ ہوتے ہیں، ایک تاریخ فاتح لکھتا ہے، جبکہ مفتوح کی کوئی تاریخ نہیں ہوتی۔ ان کی تاریخ کہیں چھپ جاتی ہے۔ اس کو کون بیان کرے گا؟ جو تاریخ لکھی گئی ہے وہ ادھوری ہے۔

ترجمہ: "کمزور لوگوں کی تاریخ کیوں نہیں ہوتی"
ہوتی ہے، ان کو سامنے نہیں آنے دیا جاتا، بلکہ چھپایا جاتا ہے۔"
"...ہماری تاریخ جھوٹی ہے۔"
"اس تاریخ کو بڑے بڑے مصنفین نے لکھا ہے۔"
"لکھتے ہوں گے، تاریخ دان ظالم حکمران کے کہنے پر تاریخیں لکھی جاتی ہیں۔"
"یا ظالم حکمران آپ لکھواتا ہے یا اپنے مطابق لکھواتا ہے۔" (15)

لوک ادب خاص کر لوک قصے کا مطالعہ کیا جائے تو زیادہ تر قصے کا منڈھ "ہک ہا بادشاہ" جیسے لفظوں سے ہوتا ہے۔ قصہ عام بندہ کرتا ہے اور ذکر بادشاہ کا ہوتا ہے۔ کیا عام طبقے کا وجود صرف بادشاہ کے لیے ہے؟ اگر یہ لوک قصے بادشاہ یعنی اوپری طبقے کے ہیں تو پھر نیچے طبقے کی کہانی کون کریگا؟ مقامی آدمی دنیا کو فتح نہیں کرنا چاہتا وہ امن سے جینا چاہتا ہے۔ جب کہ ایک دھاڑل خواب دیکھتا ہے لوٹ کے , مار کے اور قتل کے۔ ان بادشاہوں کے خوابوں میں دنیا فتح کرنے کی خواہش ظلم مچا دیتی ہے:

ترجمہ: "اسے شوق تھا کہ سارے عالم کا بادشاہ بن جائے... وہ آہستہ آہستہ سو رہا ہے... وہ نیند میں اپنی ماں کو پکارتا ہے... کسی طرف سے کوئی آواز نہیں آتی... ایک بادشاہ تھا... اسے سارے عالم اور بادشاہی کا شوق تھا... اس نے بہت جنگیں کیں... اور وہ اپنے ایک غلام کے ہاتھوں قتل ہو گیا... ایک بادشاہ...غلام... رعیت...قہر...رعیت" (16)

ناول میں مقامی اور غیر مقامی کا جھیڑا ہے۔ جو یہاں پیدا ہوئے ہیں اور اس دھرتی کو اپنا وطن بناتے ہیں وہ بھی اب مقامی ہیں۔ ناول میں ایک خوف کی فضا ہے۔ جو وسوں پر مسلط ہے۔ پلوتا وسوں کا پیچھا کرتا ہے۔ مگر اب اس وسوں میں خواہ ظالم ہو یا مظلوم، سب پلوتا کا شکار بن جاتے ہیں۔ ناول میں اوپری طبقے کے کردار کو نشابر کیا گیا ہے۔ کیسے وہ لالچ میں آکر لوگوں کو غلام بناتے ہیں۔ ناول نگار نے تاریخ کو مذہبی حوالے سے بھی بیان کیا ہے۔ اس بیان میں اس بیان میں آڈت کے مندر کا ذکر ہے، جو اس بات کی علامت کے کہ یہاں بہت سے مذہبی عقائد اور کئی اقوام حکمران رہی ہیں۔ یہاں یونانی، ایرانی، افغانی، عرب اور انگریز آئے۔ انہوں نے اپنی حکمرانی کے لئے یہاں کے مذہبی طبقہ اور سرداروں کو اپنا وفادار بنایا۔ انہیں سرداروں اور ملاؤں نے ان حکمرانوں کے مفادات کا تحفظ کیا اور مقامیوں پہ ظلم ڈھانے کے حامی رہے؛

ترجمہ: "جب حملہ آور منفرد ہتھیار چلا رہے تھے۔ جن کے آگے دو نالیاں اور پیچھے لکڑی کا دستہ تھا۔ وہ انگلی کے اشارے سے کوئی ایسی چیزیں پھینکتے تھے، جو دھماکے کے ساتھ جس کو لگتی، اس کے سینے سے خون کے فوارہ پھوٹ پڑتا۔" (17)

نیچے طبقے کو کیسے اس استعماریت میں استعمال کیا جاتا ہے؟ انہیں سمجھ نہیں آتی۔ ان کا اپنا مقامی اوپری طبقہ اس استعماریت کا آلہ بن کر نیچے طبقے کا سودا کر دیتا ہے۔ استعماری طاقتیں کیسے اپنے اثر و رسوخ سے تیسری دنیا کے ملکوں کے وسائل اور نیچے طبقے کو استعمال کرتی ہیں:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.1 2022

ترجمہ: "ظالم پاگل نہیں ہو سکتا، اس کی بات اور حکم آخری ہوتے ہیں۔"

"پھر ہم کہاں ہیں؟"

"تم نے ان کے لیے تو بالکل ہی نہیں، اگر ہو تو صرف غلامی کے لیے، ورنہ تمہیں بھی۔۔۔۔

"کر تو رہے ہیں؟"

"جب تک ان کی ضرورت ہو گی، تم زندہ رہو گے۔"

"تو ہم ضرورت ہیں؟"

"ضرورت تک۔"

"دیکھا نہیں، جس کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ جگہ انکی اپنی بن جاتی ہے۔"

"یہاں کے لوگ؟"

"یہاں کے لوگ، غلام سئیں غلام"!

"ہم آپ نہیں لڑتے؟"

"لڑوایا جاتا ہے"!

"لیکن یہ تو.....

یہی تو ہے۔

"ہم اکٹھے ہو جائیں تو ہم.....؟"

"ہم کون؟"

"شراب دے کے... تمبا کو دے کر... سرداروں کو زمین جائیداد دے کر... سرداروں نے ہمیں پکڑوایا... بھرتی کروائی گئی... باقی جو بچ گئے ہیں... وہ ہم ہیں۔"

"ہم کوئی نہیں... انہوں نے سب سے پہلے ہمیں تقسیم کیا ہے۔(18) "

سلیم شہزاد تاریخ کی ان پوشیدہ پرتوں کو ایک بار پھر سے کھنگالتا ہے، کہ کہیں مقامی کے ساتھ ہونے والے دروہ کا سراغ لگایا جا سکے۔ وہ اس عمل کے ذریعے اجتماعی دانش اور اتحاد و اتفاق کرنے پر زور دیتے ہیں۔ انہیں احساس ہے کہ اگر نچلا طبقہ اجتماعیت اپنا لے تو ان کے مفادات کا تحفظ یقینی ہو جائے گا۔ یہ اجتماعیت ان کے طبقے کے لیے ضروری ہے۔ اس اجتماعیت کے لیے ناول نگار "ہم" کا صیغہ استعمال کرتا ہے۔ ناول نگار ماضی میں دھاڑلوں کی تقسیم کرو اور حکومت کرو کی پالیسی کو سوجھل کرتا ہے۔ یہ پالیسی غریب طبقات کے لیے نقصان دہ ہے۔ سلیم شہزاد اشتراکیت کی بات کرتے ہیں۔ سلیم شہزاد کے ناولوں میں اشتراکیت کے ذریعے طبقاتی تقسیم کا حل پیش کیا جاتا ہے۔

نتائج:

سلیم شہزاد اپنے ناولوں میں مقامی آدمی کے موقف کو بھرپور انداز میں اجاگر کرتے ہیں اور اس کی اہمیت کو ریاست کے مسائل کے حل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ ناول نگار کے مطابق، ریاست کو مقامی دانش اور تجربات سے فائدہ اٹھانا چاہیے تاکہ وہ اپنے موجودہ اور مستقبل کے چیلنجز سے کامیابی سے نمٹ سکے۔ جب ریاست مقامی آدمی سے مکالمے کا راستہ اختیار کرے گی اور اس کے مسائل کو سمجھ کر اعتماد بحال کرے گی، تو یہی آپسی تعلقات کی بہتری اور دیرپا حل کی بنیاد بنے گا۔ اس لیے، سلیم شہزاد کے نقطہ نظر میں مقامی آدمی کے موقف کو نظرانداز کرنا ریاست کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے اور اس کے بغیر مسائل کا حل ممکن نہیں ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.1 2022

سلیم شہزاد اپنے ناولوں میں نہ صرف مقامی آدمی کے موقف کی حمایت کرتے ہیں بلکہ ناول "پلوتا" میں ظلم اور انصاف کے پیچیدہ فلسفے کو بھی بڑی باریکی سے بیان کرتے ہیں۔ وہ اس تصور کو اجاگر کرتے ہیں کہ جب ظلم کی شدت ناقابل برداشت ہو جائے اور مظلوم اپنی زمین سے بددعا، یعنی "پلوتا"، دے دے تو اس بددعا کی وجہ سے ایک تباہ کن آفت آتی ہے جو ہر چیز کو برباد کر دیتی ہے۔ اس آفت میں صرف ظالم ہی نہیں بلکہ مظلوم بھی اپنی بقا کھو بیٹھتا ہے۔ یہ ایک گہری علامتی تشریح ہے جس سے سلیم شہزاد یہ پیغام دیتے ہیں کہ ظلم کا دائرہ جب حد سے بڑھ جائے تو پورا سماجی ڈھانچہ تباہی کے دہانے پر پہنچ جاتا ہے۔ ناول میں یہ تصور انصاف اور انتقام کے درمیان ایک باریک فرق کو واضح کرتا ہے، جہاں انتقامی جذبات کا نتیجہ اجتماعی بربادی کی صورت میں نکلتا ہے۔

حوالہ جات

1. سلیم شہزاد، گھان، ملتان، جھوک پبلشرز بیرون دولت گیٹ، 2012ئ، ص:9
2. ایضاً، ص:19
3. ایضاً، ص:60
4. ایضاً، ص:61
5. ایضاً، ص:81
6. ایضاً، ص:91
7. ایضاً، ص:97
8. ایضاً، ص:107
9. ایضاً، ص:142-143
10. ایضاً، ص:146
11. ایضاً، ص:147
12. سلیم شہزاد، پلوتا، ملتان، ملتان انسٹیٹیوٹ آف پالیسی اینڈ ریسرچ، 2018ئ، ص:52
13. ایضاً، ص:54
14. ایضاً، ص:70
15. ایضاً، ص:89-90
16. ایضاً، ص:92
17. ایضاً، ص:142
18. ایضاً، ص:154-155